فکر و نظر.......... اسلام آباد   جلد: ۴۷   شمارہ: ۱

فقہ اسلامی میں جنگ و صلح کے معاہدہ کا تصور

پروفیسر محمد منیر*

Abstract

This article studies the law of peace treaties in the realm of International Law *(Siyar)* of Islam. Its findings show that the *Imam* can enter into a peace treaty with other states if it is beneficial for the Muslims and its provisions are not against the injunctions of the *Shari'ah*. According to the preferred opinion of Muslim *fuqha'* the duration of a peace treaty is left to the discretion of the *Imam* to decide, keeping in view the interests of Muslim community. A Muslim state can terminate a treaty (a) on the expiry of its period; (b) if the other party breaches one of its fundamental provisions; (c) if the other party directly or indirectly assists a third party to wage war against the Muslims; (d) if the other party was hatching a conspiracy against the Muslims. Some Muslim jurists consider *aman* (pledge) as a kind of treaty. The agreement of *jizyah* (poll-tax) between non-Muslim citizens of a Muslim state and the *Imam* practically stands abolished in the modern world, as such non-Muslims are protected under the Constitutions of Muslim states.

اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ کرنے کی اجازت ہے۔ معاہدے سے متعلق اصول اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں جتنا کہ قتال سے متعلق اصول اور معاہدہ پر بحث کرتے وقت دیگر ضروری امور کے ساتھ درج ذیل نکات بھی مدنظر رکھنا ضروری ہیں:

معاہدے کی شرعی حیثیت، وہ حالات و شروط جن کے تحت کوئی معاہدہ عمل میں لایا جاتا ہے، معاہدے کی میعاد، اور یہ کہ آیا دشمن کی طرف سے مقرر کی گئی شرائط پر معاہدہ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح کیا ایسا معاہدہ شرعاً جائز ہوگا جس میں مسلمانوں کے لیے دشمن کو کوئی مقرر رقم ادا کرنا لازم

☆ مصنف انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر اور یونیورسٹی کالج اسلام آباد میں وزٹنگ پروفیسر ہیں۔
مقالے میں دی گئیں قرآنی آیات کا ترجمہ مولانا محمود الحسن کے اردو ترجمہ سے ماخوذ ہے۔

ٹھہرایا گیا ہو؟ 'امان' کیا ہے اور جنگ بندی پر یہ کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟ شریعت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ اسلام میں 'علۃ القتال' کس چیز کو ٹھہرایا گیا ہے؟ اور اسی طرح دنیا کی تقسیم دو یا تین حصوں میں، یعنی 'دارالحرب'، 'دار الاسلام' اور 'دار الصلح' کس اصول کی بنیاد پر کی گئی؟ یہ سب سوال اس قدر اہم ہیں کہ معاہدے سے متعلق کسی بھی بحث کو ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔

معاہدے کی شرعی حیثیت

'معاہدہ' عربی لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ معاہدے کے دونوں فریق اپنے آپ کو معاہدے کی شرائط کے پابند سمجھتے ہیں(۱)۔ علماء متقدمین نے اپنی کتابوں میں معاہدے کے لئے بہت سی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ مثلاً 'ہدنۃ' (امن کا قیام)، 'مہادنۃ' (کسی معاہدے کا طے پانا)، 'موادعۃ' (جنگ نہ کرنے کا معاہدہ)(۲)، 'صلح' (معاہدہ امن)، 'امان' (امن دے دینا)، میثاق، عقد، حلف، عہد وغیرہ۔ علامہ کاسانیؒ کچھ ایسے الفاظ ذکر کرتے ہیں جن کو معاہدے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے، ان میں 'موادعۃ'، 'المسالمۃ'، 'المصالحۃ' اور 'المعاھدۃ' شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی بھی ایسا لفظ 'معاہدہ' کے لیے استعمال میں لایا جا سکتا ہے جو انہی معانی کو محیط ہو۔ عربی میں کہتے ہیں 'توادعا الفریقان'(۳) یعنی دونوں فریق جنگ نہ کرنے پر رضامند ہوگئے۔ دوسرے علماء نے اور تعریفیں کی ہیں، مثلاً 'اہل حرب اور مسلمانوں کا آپس میں یہ اقرار پانا کہ دونوں فریق ایک معین مدت کے لیے عوض یا بغیر عوض کے جنگ نہیں کریں گے'(۴)۔ علامہ راوندی کہتے ہیں: 'معاہدہ بغیر عوض کے ایک معین مدت تک جنگ بندی کو کہتے ہیں'(۵)۔

اس ضمن میں اگرچہ لفظ 'عہد' سب سے موزوں نظر آتا ہے کیونکہ اس کا مطلب شرعی معاملات میں رضا اور عاقدین کیلئے عقد شرعی کے موجبات کو پورا کرنے کا پابند ہے، تاہم ہمیں مقاصد اور معانی کو دیکھنا چاہیے نہ کہ الفاظ کو۔

شریعت مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ معاہدے کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾(۶)

''(اے نبیؐ)، اگر دشمن صلح کی طرف جھکے تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر توکل رکھو۔''

کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو۔"

ان تمام ارشادات سے اسلام میں معاہدوں کے جواز اور ان کا احترام صریحاً ثابت ہوتا ہے(۱۱)۔

علاوہ ازیں حضور ﷺ نے دشمنان اسلام کے ساتھ بہت سے معاہدے کئے۔ آپؐ کے معاہدوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱) آپؐ کی ہجرت سے لے کر غزوہ خندق (۵ ہجری) تک: ان میں مدینے کے یہود اور آس پاس اور اندرون شہر رہنے والے قبائل (اوس اور خزرج وغیرہ) کے ساتھ معاہدہ شامل ہیں(۱۲)۔
اس معاہدے نے ان تمام گروپوں کو جمع کر لیا۔

۲) یہ وہ معاہدے ہیں جو غزوہ خندق سے لے کر فتح مکہ تک کے زمانے میں ہوئے۔ ان میں سب سے اہم معاہدہ وہ جو مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان ہوا اور جس کو 'صلح حدیبیہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے(۱۳)۔

۳) معاہدوں کا تیسرا دور فتح مکہ سے لے کر ۱۱ ہجری میں آنحضرت ﷺ کی وفات تک ہے۔ اس دور میں آپؐ نے بہت سے عرب قبائل کو امن کی ضمانتیں دیں۔ ان میں سے کچھ عرب قبائل اور کچھ قبائل کے سرداروں کے نام یہ ہیں: عامر ابن اسود الطائی(۱۴)، ابن اسد(۱۵)، بنی غفار(۱۶)، اھل نجران(۱۷)، یوحنہ ابن رباع اور اہل ایلاء(۱۸)۔

معاہدہ کن حالات میں کیا جا سکتا ہے؟

کوئی معاہدہ طے پانے کے نتیجے میں فریقوں میں جارحانہ جنگی اقدامات کو روک دیا جائے گا۔ اسی طرح اس معاہدے کی دیگر شرائط اور موجبات کا احترام بھی لازم ہو گا۔ اس باہمی احترام کو اس وقت تک برقرار رکھا جائے گا جب تک کے دوسرے فریق کی طرف سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔

جمہور مذاہب فقہ (مالکی، شافعی اور حنبلی) کے نزدیک دوسرے فریق کی طرف سے کسی قسم کی مخالفت نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں پر معاہدے کا احترام معاہدے کی میعاد تک واجب رہتا ہے(۱۹)۔ حنفی فقہاء میں علامہ کاسانیؒ کہتے ہیں کہ معاہدے کا احترام میعاد ختم ہونے تک اس پہلو سے واجب نہیں کہ اگر مسلمانوں کا امام اس کو مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف سمجھے تو وہ فریق مخالف کو معاہدہ ختم کرنے کا نوٹس دے سکتا ہے(۲۰)۔ امام معاہدے کو (بغیر نوٹس کے) ختم صرف اس صورت میں کر سکتا ہے جب فریق مخالف کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی یا اس سے متعلق امور میں

قرآن اس حالت کا ذکر کرتا ہے جب کوئی مسلمان ایک ایسی قوم کے کسی فرد کو قتل کر دے جس کے ساتھ مسلمان امن کا معاہدہ کر چکے ہوں:

﴿وَ اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾(۷)

''اگر اس مسلمان مقتول کا تعلق کسی ایسی قوم سے تھا جن سے تمہارا معاہدہ امن ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا''

اسی طرح ایک اور جگہ یہ حکم ہوتا ہے:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا. اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾(۸)

''(اے مومنو)، اگر یہ لوگ ہجرت سے باز رہیں تو لڑائی کے وقت انہیں جہاں پاؤ، پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے کسی کو اپنا ساتھی اور مددگار نہ بناؤ (اس لیے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں)، البتہ (خارجہ تعلقات کے ضمن میں یہ جان لو کہ) جن لوگوں کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جن کے ساتھ تمہاری ریاست کا معاہدہ ہو، وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں''

یہ آیت صاف طور پر غیر مسلموں سے امن معاہدہ کرنے کا جواز بتلا رہی ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر قرآن میں ارشاد ہے:

﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا﴾(۹)

''(اے مومنو! یاد رکھو کہ) اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش رہیں، تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ تم کو بھی ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔''

قرآن میں یہ بھی وارد ہے کہ مسلمانوں کو ایک غیر مسلم ملک کے مسلمان باشندوں کی مدد کرنے کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اس کو جدید اصطلاحی زبان میں 'انسانی حقوق پر مبنی مداخلت' (Humanitarian Intervention) کہا جاتا ہے۔ یہ اس صورت میں جائز ہو گا جب اس غیر مسلم ملک میں حکومت مسلمانوں پر ظلم کر رہی ہو اور وہ اسلامی حکومت سے مدد کی درخواست کریں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾(۱۰)

''تاہم اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر لازم ہے، لیکن

کوئی خیانت سرزد ہو۔ قرآن کریم میں صریحاً وارد ہوا ہے:

﴿فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۲۱)

''ایسے لوگوں کے ساتھ معاہدہ اپنی مدت تک پورا کرو کیونکہ اللہ متقین(یعنی معاہدوں کی خلاف ورزی نہ کرنے والوں) کو پسند کرتا ہے''

چنانچہ امام بغیر کسی معقول وجہ کے محض اپنی خواہش سے کوئی معاہدہ ختم نہیں کر سکتا۔ علامہ کاسانیؒ کی رائے کو سمجھنے کے لیے متعلقہ اقتباس نقل کیا جا تا ہے:

''امن معاہدہ یا تو مطلق (بغیر تعین میعاد) ہو گا یا پھر ایک متعین مدت کے لئے۔ مطلق ہونے کی صورت میں اس کو صریحاً یا دلالۃً منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ صریحاً تنسیخ تب ہو گی جب معاہدے کے فریق صاف الفاظ میں اس کے منسوخ ہونے کا اعلان کریں۔ دلالۃً تنسیخ تب ہوتی ہے جب کوئی ایسی حالت وقوع میں آئے جو معاہدے کے منسوخ ہونے پر دلالت کرے، مثلاً اگر دارالموادعۃ کے کچھ لوگ اس دار کی حکومت کی اجازت سے دارالاسلام میں داخل ہو کر کسی جگہ پر ڈاکہ ڈالیں۔ (یعنی دارالموادعۃ کو حکومت کی اجازت سے دارالسلام پر ڈاکہ ڈالنا) ادھر حکومت کی اجازت معاہدے کی تنسیخ پر دلالت کر رہی ہے''(۲۲)۔

یہاں یہ امر دلچسپی کا حامل ہے کہ امام شیبانیؒ، جو کہ اسلامی قانون بین الممالک کے بانی ہیں، نے اس مضمون پر اپنی مشہور تصنیف 'کتاب السیّر الکبیر' میں اس طرح کی (میعاد سے قبل) تنسیخ پر بحث نہیں کی۔ اسی طرح حنفی مذہب کے دوسرے بڑے فقہاء امام سرخسیؒ اور صاحب ھدایۃ مرغینانیؒ نے بھی اس طرح معاہدے کو میعاد سے قبل ختم کرنے کے جواز کا کوئی ذکر نہیں کیا۔(۲۳)

امام ابن کثیرؒ کے مطابق اوپر دی گئی قرآنی آیت میں لفظ 'متقین' سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے معاہدوں کا پاس رکھتے ہیں(۲۴)۔ ابن قدامہؒ کی نظر میں امام (میعاد تک) معاہدے کا پابند ہے اور وہ اپنے موقف کی تائید میں مندرجہ ذیل قرانی آیات کو دلیل بناتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾(۲۵)

''اے اہل ایمان! اپنے عہد و پیمان پورے کرو''

ابن قدامہؒ امام کے معاہدے ختم کرنے کے اختیار کے مسلک کو باطل خیال کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کے مطابق 'ہدنہ ایک لازم عقد ہے'(۲۶)۔

ان حالات کے متعلق جن میں غیر مسلموں سے معاہدہ طے کیا جا سکتا ہے فقہاء اسلام میں اتفاق ہے۔ علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر امام کی رائے میں کسی معاہدہ میں مسلمانوں کی مصلحت ہے تو وہ ایسا معاہدہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہاں انھوں نے مصلحت جاننے کے لیے کسی معیار کا تعین نہیں کیا۔ امت مسلمہ کی مصلحت مختلف حالات میں مختلف امور کے اختیار کرنے میں ہو سکتی ہے۔ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں کو کسی قسم کی رعایت اس وقت تک نہیں دینی چاہیے جب تک ان کو اپنی قلّت اور دشمن کی کثرت کی وجہ سے شدید فتنے کا یا کسی اور وجہ سے کسی سخت اذیت سے دوچار ہونے کا ڈر نہ ہو۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کسی معاہدے کی مدت دس سال سے تجاوز نہ کرے۔ دس سال کی مدت متعین کرنے کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ آپؐ نے کفار کے ساتھ حدیبیہ کے معاہدے میں دس سال کی مدت طے کی۔ بہرکیف اگر میعاد مکمل ہونے پر حالات اسی طرح ہوں تو معاہدے کی تجدید کی جا سکتی ہے(۲۷)۔ حنبلی مذہب کے بعض فقہاء دس سال کے اصول میں شوافع سے اتفاق کرتے ہیں(۲۸)۔

شیعہ مذہب کے مطابق معاہدے کی عام مدت چار ماہ ہونی چاہیے۔ وہ اس عرصہ کو قرآنی آیت:

﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾(۲۹)

''(پس (اے مشرکو!) تم ملک میں چار مہینے تک تو چل پھر لو''

سے ثابت کرتے ہیں۔ ان کے مطابق زیادہ سے زیادہ مدت ایک سال کی ہونی چاہیے(۳۰)، البتہ بہت خصوصی حالات میں دس سال کے عرصے تک کے معاہدے کئے جا سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاہدہ صرف اس صورت میں کرنا چاہیے جب مسلمان کمزور ہوں اور جنگ کرنے کی قوت نہ رکھتے ہوں (۳۱)۔

حنفی اور مالکی فقہاء(۳۲) مسلمانوں کی مصلحت پر مبنی معاہدے کے جواز میں شوافع سے اتفاق کرتے ہیں (اگرچہ وہ اس بات کا ذکر نہیں کرتے کہ معاہدہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان عسکری طور پر کمزوری کی حالت میں ہوں) تاہم معاہدے کی میعاد میں ان کا شوافع سے اختلاف ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہے کہ کاسانیؒ کے مطابق معاہدہ متعین یا غیر متعین مدت کے لئے ہو سکتا ہے(۳۳)۔ امام شافعیؒ اس معاملے میں صلح حدیبیہ کی مدت کی حرفاً حرفاً تقلید کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے مطابق علۃ القتال 'کفر' ہے، اس لیے وہ غیر متعینہ مدت کے لیے کفار سے معاہدے کو نا جائز سمجھتے ہیں۔ دوسری طرف احناف کے نزدیک علۃ القتال 'جارحیت' (محاربۃ) ہے، اس وجہ سے وہ طویل مدت

تک بھی کفار کے ساتھ امن کو جائز سمجھتے ہیں۔

مالکی مذہب کے مشہور امام قاضی ابن رشد فرماتے ہیں کہ مسلم فقہاء کے ایک گروہ نے بغیر شدید ضرورت کے بھی غیر مسلموں کے ساتھ امن معاہدے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ امام اس کو مسلمانوں کی مصلحت میں سمجھتا ہو(۳۴)۔ امام اوزاعی اور دوسرے حنفی فقہاء نے کسی عوض کے بدلے (جو مسلمان غیر مسلم قوم کو دیں گے) معاہدے کو جائز قرار دیا ہے، مگر اس صورت میں جب ایسا نہ کرنے سے مسلمان کسی بڑے فتنے سے دو چار ہوتے ہوں یا پھر کسی اور ضرورت کے تحت ایسا کیا جائے(۳۵)۔ احناف نے اس ضمن میں بالعموم آیت قرآنی ﴿وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾(۳۶) ''(اے نبیؐ)، اگر دشمن صلح کی طرف جھکے تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ'' کو دلیل بنا یا ہے۔ انھوں نے بغیر عوض کے معاہدے کو جائز قرار دیا ہے جبکہ امام کی رائے میں ایسا کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت ہو(۳۷)۔ عوض کے بدل میں معاہدہ کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ معاہدہ مسلمانوں کی طرف سے لازم کی گئی شرائط اور موجبات کے مطابق طے پائے، یعنی مسلمان کفار پر جارحانہ اقدام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوئے ایسا نہ کریں اور ان سے امن کا تعلق رکھیں۔ یہ رائے امام شافعیؒ کے مسلک کے بالکل برعکس ہے۔

یہ مبحث ختم کرنے سے پہلے ایک دلچسپ سوال کی طرف توجہ کی جا سکتی ہے، کیا امام کے لیے جائز ہو گا کہ ابدی امن کے معاہدے کرے؟(۳۸) ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے فقہاء کے لیے اس سوال کا جواب اس موضوع سے جدا نہ کیے جا سکنے والے دوسرے سوالات کے جوابات پر منحصر ہے۔ جو فقہاء علۃ القتال کو 'کفر' کے بجائے 'محاربۃ' خیال کرتے ہیں یقیناً ایسے معاہدوں کے حق میں ہونگے۔ پھر اس مقدمے کا ایک اہم نتیجہ یہ اقرار ہو گا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کی اصل بنیاد جنگ نہیں۔ جنگ ایک عارضی صورت ہوگی، جس کے اختتام پر امن دوبارہ قائم ہو گا اور مسلمانوں پر لازم ہو گا کہ فریق مخالف کی طرف سے امن کی پکار کو قبول کریں۔ ایک اور نتیجہ اس تصور کی صورت میں سامنے آئے گا کہ فقہاء کی دار الحرب اور دار الاسلام کی تقسیم کسی مستقل حالت جنگ کے لیے نہیں بلکہ محض ملکی قانون کے لیے دائرہ اختیار کا تعین کرنے کے لیے تھی۔ ہم اس سے قبل ایک اور بحث میں بتا چکے ہیں کہ علۃ القتال کبھی 'کفر' قرار نہیں دی جا سکتی(۳۹) کیوں کہ قران میں حکم دیا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا پھر لیے بغیر رہا کر دیا جائے۔

امام ابو عبیدؒ کے مطابق فدیہ صرف ایک مرتبہ (یعنی بدر کے قیدیوں سے) لیا گیا، بعد میں

حضور ﷺ کا عمل بغیر فدیہ کے چھوڑنا تھا، لہٰذا مؤخرالذکر طریقے کے مطابق ہی عمل ہو گا۔(۴۰) اس کی وجہ یہی ہے کہ غیرمسلموں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی جائے۔ دوسرے، جنگ کے دوران عورتوں، بچوں، خدام، زخمیوں، مریضوں، قیدیوں، بھگوڑوں اور لڑائی میں حصہ نہ لینے والے تمام افراد کو مارنا ناجائز ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کفار کو اپنے عقیدے پر چھوڑا جائے۔

اسی طرح یہ امر بھی ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ، خلفائے راشدین اور ان کے بعد آنے والے خلفاء نے اپنی غیرمسلم رعایا کے ساتھ مستقل نوعیت کے معاہدے کیے۔ یہ معاہدے، جن کو 'عقد الذمہ' کہتے ہیں غیرمسلموں پر ایک قلیل ٹیکس لازم کرتے تھے جس کو جزیہ کہا جا تا ہے۔ اس کے بدلے اسلامی حکومت ان شہریوں کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ علاوہ ازیں جزیہ ادا کرنے والے شہری عسکری ذمہ داریوں سے بری ہوتے ہیں۔ اگر 'کفر' کو علۃ القتال مان لیا جائے تو تمام مذکور صورتوں میں غیرمسلموں کو قتل کرنا لازم آئے گا۔ پھر چوتھا نقطہ یہ کہ اس دنیا کو 'دارالجزاء' قرار نہیں دیا جا سکتا اور کسی کو غیرمسلم ہونے کی بنیاد پر سزا نہیں دی جا سکتی کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ یہ دنیا ہی ہے، آخرت نہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾(۴۱)

(اے نبیؐ)، کہہ دو ''یہی حق ہے تمہارے رب کی جانب سے، اب جس کا جی چاہے، ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے، انکار کر دے''

پھر یہ بنیادی اسلامی اصول ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾(۴۲) ''دین کے معاملے میں (اللہ کی طرف سے) کوئی جبر نہیں ہے'' کے مخالف ہے۔ ایمان ایک ذاتی مسئلہ ہے subjective اور مسلمان اندرونی یقین کے ہی ذریعے مسلمان کہلاتا ہے، بیرونی اکراہ کی وجہ سے نہیں۔ قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا﴾(۴۳)

''(اے نبیؐ)، اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان قبول کر لیتے''

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ناقابل تردید نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر امام امن کے معاہدوں کو مسلمانوں کی مصلحت میں پائے تو یہ معاہدے شرعاً جائز ہونگے۔

معاہدے کو کب منسوخ کیا جا سکتا ہے؟

معاہدے کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر ختم کیا جا سکتا ہے:

۱) جب معاہدے کی مقرر شدہ مدت ختم ہو جائے، اس کی دلیل قرآن کی آیت ﴿فَاَتِمُّوا اِلَيْهِم عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِم﴾(۴۴) ''ایسے لوگوں کے ساتھ معاہدہ اپنی مدت تک پورا کرو' ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور آیت 'جب تک وہ تمھارے ساتھ امان سے رہیں، تم بھی ان کے ساتھ امان سے رہو(۴۵)' کا یہی مفہوم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مدت ختم ہونے پر امن کی حالت باقی نہیں رہتی اور فریقوں کے ما بین تعلقات جارحانہ ہو جاتے ہیں۔

اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے جنگ کی تیاری کرنا تاکہ مدت کے ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دیا جائے اسلامی قانون میں عہدشکنی تصور کی جاتی ہے۔ اس کے لیے حضرت امیر معاویہؓ کی فوجی پیش قدمی کو بطورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ جب وہ اپنی فوج کو لے کر رومی حکومت کے خلاف امن معاہدے کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی نکل پڑے تھے تاکہ مدت ختم ہوتے ہی فوراً حملہ کر دیں۔ اس موقع پر ایک صحابی حضرت عمرو بن عنبۃؓ دوڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے ان کی طرف آئے 'اللہ اکبر، اللہ اکبر، وعدے کا خیال رکھو، اس کی خلاف ورزی نہ کرو' حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے وجہ معلوم کی تو انھوں نے بتلایا کہ حضور ﷺ کو انھوں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ:

> ''اگر کسی کا کسی فریق کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو تو (ان کی طرف سے) اس کی مدت ختم ہونے تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے اور اگر دوسری طرف سے خلاف ورزی کا خطرہ ہو تو ان کو معاملہ بالمثل کے تحت تنسیخ کا نوٹس دے دیا جائے''(۴۶)۔

ایک اور مثال حضرت ابوجندلؓ کی ہے جب وہ مکے کے کفار سے بھاگ کر مدینہ آئے اور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا ارادہ ان کو کفار سے طے شدہ معاہدے کے مطابق ان کو واپس کفار کے حوالے کر دینے کا ہے۔ اس موقع پر حضرت ابو جندلؓ مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کو کفار کے حوالے کر دیں گے جبکہ (ان کو معلوم تھا) کہ کفار ان کو اسلام ترک کروانے کے لیے ظلم کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: 'ہمارے لیے عہد شکنی ٹھیک نہیں، اگرچہ اس سے مسلمان کفار کے قانون سے بچتے ہوں'۔(۴۷)

چنانچہ اسلامی قانون نے معاہدے سے متعلق دو اصول وضع کیے ہیں: انصاف اور خلوص نیت۔ یعنی 'معاہدے کی پابندی لازمی ہے' (Pacta Sunt Servanda) اسلامی قانون نے اس اصول کو تقویت دی ہے اور ساتھ ساتھ اس کو بین االاقوامی تعلقات کا بھی حصہ بنا دیا ہے۔(۴۸) یہ قاعدہ موجودہ بین الاقوامی قانون کے ارتقاء کا سبب بنا لیکن اصل میں یہ بین الاقوامی عرف پر مبنی ہے۔

۲) معاہدہ تب بھی منسوخ ہو جاتا ہے جب دوسرے فریق کی جانب سے اس کی کسی بنیادی شق کی خلاف ورزی ہو۔

﴿اِلَّا الَّذِیْنَ عٰہَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾(۴۹)

''(اے نبیؐ)، البتہ وہ مشرکین، جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اس معاہدہ کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی، ایسے لوگوں کے ساتھ معاہدہ اپنی مدت تک پورا کرو کیوں کہ اللہ متقین (یعنی معاہدوں کی خلاف ورزی نہ کرنے والوں) کو پسند کرتا ہے''

۳) اگر دوسرا فریق کسی ایسے تیسرے فریق کی امداد کرے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہے۔ اس کو بھی معاہدے کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا اور اس کا ذکر قرآن پاک(۹:۴) میں موجود ہے۔ مکے کے کفار اس طرح کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے جب انھوں نے اپنے ایک حلیف قبیلے (بنو بکر) کی مسلمانوں کے حلیف قبیلے (بنو خزاعۃ) پر حملہ کرنے میں مدد کی۔ بنوبکر نے بنو خزاعۃ کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا اور ان کا مال لوٹا۔ یہ مشہور معاہدے 'صلح حدیبیہ' کی خلاف ورزی تھی جو چھٹی ہجری میں حضور ﷺ نے مکہ کے کفار کے ساتھ کیا تھا۔ اس معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ عرب قبائل کو اختیار ہو گا کہ وہ مسلمانوں یا مکہ کے کفار اور ان کے حلیفوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں مل جائیں۔ اس پر بنو بکر کفار کے ساتھ اور بنو خزاعۃ مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔ بنو خزاعۃ نے حضور ﷺ سے حملے کی شکایت کی تو چونکہ یہ حملہ مکہ والوں کی مرضی سے ہوا تھا اور معاہدے کی صریح خلاف ورزی تھی آپ ﷺ نے کفار مکہ کو بنوبکر کے ساتھ تعلقات ختم کرنے یا پھر مقتولین کی دیت اور نقصان کا ضمان ادا کرنے اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں ان کو معاہدے کو منسوخ قرار دینے کو کہا۔ مکہ والوں نے دوسری صورت اختیار کی۔ اگرچہ بعد میں اُن کو پریشانی لاحق ہوئی۔

اس ضمن میں یہ یاددہانی کرانی ضروری ہے کہ تیسرے فریق کی طرف سے جارحیت معاہدے میں شامل فریق کی مرضی سے ہونی چاہیے۔ ورنہ اس کو خلاف ورزی تصور نہیں کیا جائے گا۔ کاسانیؒ مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر لٹیروں کا ایک گروہ دارالموادعۃ سے دارالاسلام اوّل الذکر کے امیر کی اجازت سے آئے اور یہاں ڈاکہ ڈالے تو اس کو امن معاہدے کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا کیوں کہ امیر کی اجازت خلاف ورزی کی صاف دلیل ہے۔(۵۰) اگر امیر کی اجازت نہ ہو تو ان کے اس فعل

کو معاہدے کی خلاف ورزی نہیں تصور کیا جائے گا۔(۵۱)

۴) اگر مسلمانوں کو دوسرے فریق کی طرف سے کسی خیانت یا سازش وغیرہ کا علم ہو جائے تب بھی مدت ختم ہونے سے پہلے معاہدے کو منسوخ کیا جا سکتا ہے۔ قران پاک میں ارشاد ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ(۵۲)

جب تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اس کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو اعلانیہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔

تو اگر دشمن کی طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو تو معاہدے کے منسوخ کرنے کا جواز ثابت ہے۔ مگر یہاں اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ تنسیخ کا اعلان اس طرح کیا جائے کہ مسلمان اور دوسرے فریق (عسکری تیاریوں میں) مساوی درجہ میں ہوں۔ معاہدے کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی تیاریاں ٹھیک نہیں ہوں گی کہ میعاد ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا جائے اور دشمن کو اپنے بچاؤ کے لئے موقع ہی نہ ملے۔(۵۳)

علامہ قرطبی عہد شکنی سے متعلق اوپر دی گئی آیت کی تفسیر میں طبریؒ اور ابن عربیؒ کے اقوال نقل کرتے ہیں کہ خیانت کے خوف کی بنیاد محض اندازوں پر نہیں بلکہ ٹھوس ثبوت پر ہونی چاہیے۔(۵۴) ابن کثیر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو عہد شکنی پسند نہیں چاہے اس کے کرنے والے غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔(۵۵)

مسئلے کو سمجھنے کے لیے آیت بالا پر قدرے گہری نظر ڈالنا ضروری ہے۔ قرآن نے اندیشے کی 'وجہ' پر زور دیا ہے۔ یعنی جب کوئی وجہ سامنے ہو اور اس کی بنیاد پر معاہدے کی خلاف ورزی کا ڈر ہو، تب ہی مسلمانوں کے لیے جائز ہوگا کہ وہ دوسرے فریق کو معاہدے کے منسوخ ہونے کا نوٹس دیں۔ خیانت یا پھر معاہدے کی خلاف ورزی کی بنیاد پر تنسیخ کا نوٹس بغیر ٹھوس ثبوت کے دینا قرآن کی اس آیت کے خلاف ہو گا لہٰذا ناجائز ہو گا۔

یاد رہے کہ مرتدین (apostates) کے ساتھ معاہدہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔

اسلامی قانون میں 'پناہ' (Refuge) کا تصور

حنفی فقیہ کمال ابن الہمام کہتے ہیں(۵۶) کہ 'امان موادعۃ کی ایک قسم ہے'۔ 'العناية على الهدايه' کے مصنف کی رائے بھی کچھ اسی طرح ہے: 'کیوں کہ اس کی وجہ سے موادعۃ کی طرح جارحانہ اقدامات روک دیے جاتے ہیں'(۵۷)۔

'امان' کا مطلب 'امن کاراستہ' یا 'امن کی ضمانت دینا ہے اور اسلام میں کوئی بھی امام، امام کا کوئی ماتحت یا کوئی بھی مسلم شہری دشمن کو امان دے سکتا ہے۔ فقہاء نے اس بارے میں وضاحت کی ہے کہ امان چاہے مرد دے یا عورت، غلام دے یا پھر آزاد شخص(۵۸)، عام طور پر اس کی وسعت لوگوں کے ایک چھوٹے گروہ تک جاتی ہے، جیسے دس افراد یا ایک چھوٹا سا قافلہ یا قلعہ۔ اگر مسلمان (دوران جنگ) دشمن کے افراد میں سے کسی کو کہے کہ 'ہتھیار پھینک دو اور ڈرو مت' تو اس نے اس دشمن کو حفاظت کی ضمانت دے دی ہے اور اب اس کو مارنا ناجائز اور محفوظ مقام پر پہنچانا لازم ہے۔

امان دوقسم کی ہوتی ہے: عام، یعنی تمام لوگوں کے لئے، اور خاص، جو کہ ایک یا چند ایک مخصوص لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔ پہلی قسم کی عام امان کو شرعی اصطلاح میں 'ھدنۃ' (معاہدہ امن) کہا جاتا ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک عام امان دینے کا اختیار صرف امام یا اس کے کسی ماتحت کو ہے۔ خاص امان کے بارے میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء ہر مسلمان کی طرف سے خاص امان کو صحیح قرار دیتے ہیں جبکہ مالکی مذہب کے ابن ماجشون اور ابن حبیب کہتے ہیں کہ یہ امان اسی وقت شرعاً صحیح ہو گی جبکہ امام یا اس کا ماتحت اس پر اپنی رضامندی ظاہر کر دے۔ باقی مالکی فقہاء نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ مشہور مالکی فقیہ ابن جوزیؒ کہتے ہیں: 'امام اور عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کسی مسلمان کی طرف سے غیرمسلم فرد یا گروہ کو دی گئی امان کا اس وقت تک احترام کریں جب تک ایسا کرنے میں کوئی نقصان نہ ہو۔ فائدے کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کا یہاں کوئی اعتبار نہ ہو گا'(۵۹)۔

قرآن پاک میں 'پناہ' کے تصور کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ(۶۰)

''(اے نبیؐ)، اگر ان مشرکین میں سے امان کا طالب ہو تو اس کو پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سُن لے اور پھر اسے اس کی محفوظ جگہ پر پہنچا دو۔ ایسا اس لیے کرنا چاہیے کہ بےعلم لوگ ہیں''۔

اس بارے میں امام اوزاعیؒ سے پوچھا گیا کہ 'اس آیت میں 'محفوظ مقام' کا کیا مطلب ہے، کہ اگر امان طلب کرنے والا کہے کہ میرے لیے محفوظ مقام قسطنطنیہ ہے تو کیا اس کو ادھر لے جایا جائے؟' اس پر امام صاحب نے جواب دیا: 'اگر وہ اپنے کسی قلعے یا پھر اسی طرح کے کسی مقام پر پہنچ

جائے تو اس کے لیے یہی محفوظ مقام ہے'۔ ان سے مزید پوچھا گیا: 'اور اگر مسلمانوں کا کوئی دستہ (ایسے) مشرکین کو محفوظ مقام پر پہنچنے سے پہلے پالے؟'۔ امام صاحب نے فرمایا: 'اس دستے کو چاہیے کہ ان کا راستہ نہ روکے'۔ ان سے پھر اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو مسلمانوں سے امان لے کر ان کے علاقے میں داخل ہوا ہو اور اس امان کی مدت اس شخص کی واپسی تک ہو۔ اب وہ واپس جانے کے لیے اپنے علاقے کے کسی پہاڑ کو عبور کرنے کی کوشش کرے مگر شدید ہواؤں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے اور مجبوراً واپس مسلمانوں کے علاقے میں آ جائے تو اس کا کیا حکم ہو گا؟ اس پر امام اوزاعی نے جواب دیا: 'میری رائے میں وہ اب بھی پہلی امان کے تحت حفاظت کا حقدار ہے'۔(۶۱)

حضور ﷺ سے مروی ہے: 'مسلمان کی دی گئی امان جائز ہے۔ اگر کسی نے مسلمان کی دی گئی امان کا احترام نہ کیا تو اس پر خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوتی ہے'۔(۶۲) اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ابن حجر کہتے ہیں: 'ایک مسلمان کا کسی دوسرے مسلمان کی طرف سے دی گئی امان میں مداخلت کرنا حرام ہے'۔(۶۳) حضور ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ام ہانی کی طرف سے دو افراد کو دی گئی امان کو درست مانا تھا۔ یہ دو آدمی ام ہانی کے شوہر کے رشتہ دار تھے اور انھوں نے مکے والوں کو دی گئی عام معافی کی شرائط کی خلاف ورزی کی تھی۔(۶۴)

امان مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلموں کو اور مؤخرالذکر کی طرف سے مسلمانوں کو بھی دی جا سکتی ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک لڑائی کے دوران ایک فارسی سپاہی نے ایک درخت کے اوپر چڑھ کر اپنا بچاؤ کرنے کا سوچا۔ ایک مسلمان سپاہی نے اُنھیں فارسی اور عربی زبان کے الفاظ کو یکجا کر کے لفظ 'مترس' بول کر مخاطب کیا۔ فارسی سپاہی نے یہ خیال کیا کہ اس کو امان مل چکی ہے اور وہ درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس کو اس مسلمان سپاہی نے قتل کر دیا۔ معاملے کی اطلاع امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ کو دی گئی انھوں نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو خط لکھ کر خبردار کیا: 'خدا کی قسم' اگر مجھے اطلاع ہوئی کہ کسی نے ایسا کیا ہے تو میں اس کی گردن مار دوں گا'۔(۶۵)

امام شیبانیؒ کی رائے میں اگر مسلمانوں کا سپہ سالار قلعے کے اندر محصور دشمن کو لکھ کر یا پھر پیغام رساں بھیج کر اطلاع دے کہ وہ کسی مسلمان کی طرف سے دی ہوئی امان کو صحیح نہ سمجھے کیوں کہ اس امان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور (باوجود اس اطلاع کے) وہ کسی مسلمان فرد کی طرف سے دی گئی امان کو لے لیں تو اس صورت میں وہ مسلمانوں کے قیدی ہوں گے۔ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے شیبانیؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ کسی ایک مسلمان فرد کی طرف سے امان

نہیں دی جا سکتی۔ ایسا (یعنی ان کا قیدی بننا) اس لئے کیا جائے گا کہ انھوں نے مسلمان کمانڈر کی طرف سے دیے گئے نوٹس کی تعمیل نہیں کی۔(٦٦)

امام شیبانیؒ مزید بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: 'اگر ایک شخص امان لے کر مسلمانوں کے علاقے میں داخل ہو اور ایک مسلمان کو بالقصد یا بلاقصد قتل کر دے، یا ڈاکہ ڈالے، یا پھر مسلمانوں کی جاسوسی کر کے مشرکین کو ان (کے کسی حال) کی اطلاع کرے، یا پھر کسی مسلمان یا غیرمسلم عورت کی آبرو ریزی کرے، یا چوری کرے، تو ان میں سے کوئی (عمل) اس کی (طرف سے) امان کی خلاف ورزی نہیں ہے'۔(٦٧) اسی طرح اگر اس (مستأمن) نے کسی معصوم مسلمان پر زنا کا الزام لگایا تو اس پر حد نافذ کی جائے گی۔(٦٨) اور اگر مسلمان حکومت کا کوئی غیرمسلم یا مسلم شہری کسی مستأمن کو قتل کر دے تو اس کو اس کے بدل میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ قاتل کو قید کیا جائے گا اور دیت دینے کا حکم دیا جائے گا۔(٦٩)

اسلامی تاریخ میں بہت سے مواقع پر مسلمانوں کی طرف سے کسی فرد کو دی گئی امان کی وجہ سے ان کو فتح حاصل ہوئی۔(٧٠) ابن نحاس اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ ہجرت کے بیسویں سال میں تسطور کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ نے ایک مضبوط شہر کا ایک سال تک محاصرہ کیے رکھا۔ محصورین کی قیادت فارسی جرنیل ہرموزن کے ہاتھ میں تھی۔ ایک فارسی شہری حضرت ابو موسیٰ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر اس کو اور اس کے خاندان والوں کو امان دی جائے تو وہ ان کو شہر کے داخل ہونے کا راستہ بتلا سکتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ نے اس کو امان دے دی اور مجزءۃ بن ثور کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اس شخص نے ان کی راہنمائی زیرزمین موجود ایک ندی کی طرف کی جس میں اتر کر اور کچھ فاصلہ زیر زمین پانی میں تیر کر وہ دوسری طرف اندرون شہر ابھر آئے۔ ابن مجزءۃ نے شہر میں گھوم پھر کر اس کا نقشہ یاد کر لیا۔ واپسی پر ابن مجزءۃ کو مزید پینتیس مسلمانوں کے ہمراہ شہر کے اندر اسی خفیہ ندی کے ذریعے واپس بھیجا گیا تاکہ وہ شہر کو فتح کر لیں وہ شہر میں دوبارہ داخل ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے یہاں تک کہ اہل فارس نے ہتھیار ڈال دیے۔ جنرل ہرموزن مسلمان ہو گیا اور مدینے میں رہائش اختیار کی۔

مرتدین کو کسی قسم کی امان یا حفاظت کی ضمانت نہیں دی جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی حیثیت باغیوں کی ہوتی ہے جنھوں نے اسلامی حکومت کے اختیار کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔

عقد الذّمۃ

معاہدہ (الموادعۃ) اور امان، جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اسلامی قانون میں ایک اور قسم کی مستقل حفاظت کی ضمانت کی ہوتی ہے جو کہ مسلمانوں کے امام کی طرف سے تمام غیرمسلموں کو، چاہے وہ اہل کتاب ہوں یا ان کے علاوہ قومیں (جیسے سلاطین ہند اور مغل دور وغیرہ میں دوسری غیر مسلم قومیں) ان کی جان، مال اور آبرو کے لیے دی جاتی ہے۔ اس حفاظت کے عوض ان سے ایک قلیل سالانہ ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جس کو شرعی اصطلاح میں 'جزیۃ' کہتے ہیں۔ ایسے غیرمسلموں کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی روک ٹوک کے اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کریں اور ان کی عبادت گاہوں کو مکمل امان و حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ جزیہ ادا کرنے والوں پر مسلم حکومت کے لیے عسکری خدمات لازم نہیں ہوتیں اور دیگر دیوانی حقوق میں وہ مسلمان شہریوں کے مساوی ہوتے ہیں۔ حنفی مذہب، جو کہ خلافت عباسیہ، خلافت عثمانیہ، مغل اور دیگر سلاطین ہند کے دور میں ان کے علاقوں میں لاگو رہا ہے، کے مطابق اگر ایک مسلمان کسی ذمّی (مسلمان حکومت کا غیرمسلم شہری) کو قتل کر دے تو اس کو اس کے بدل میں قتل کیا جائے گا۔

بلاذریؒ نے اس قسم کے بہت سے معاہدوں کی مثالیں دی ہیں۔ چونکہ عقد الذّمہ آج کی دنیا میں لاگو نہیں ہوتا اس لیے ہمارے اس مقالے میں اس پر بحث نہیں کی گئی۔ جدید دنیا میں مسلمان ممالک کے غیرمسلم شہری مسلمانوں کے مساوی حقوق عقد الذّمہ سے نہیں بلکہ ان ممالک کے دساتیر سے پاتے ہیں۔ پاکستان میں 'قرار داد مقاصد' کے چھٹے پیراگراف میں درج ہے: 'اقلیتوں کو آزادانہ اپنی مذہبی شناخت کا اعلان کرنے، اپنی مذہبی اقدار کے مطابق زندگی گزارنے اور اپنی ثقافت کو ترقی دینے کے لئے مناسب سہولتیں دی جائیں گی۔' یاد رہے کہ قرارداد مقاصد ہمارے ملک کے دستور (شق 2A کے مطابق) دستور پاکستان کا حصہ بن چکا ہے۔ خود دستور میں یہ حقوق شق ۲۰ سے ۲۳ تک 'بنیادی حقوق' کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

دورِحاضر میں بین الاقوامی معاہدے اور اسلام:

دورِحاضر میں اکثر معاہدے دو فریقوں کے درمیان نہیں ہوتے بلکہ کبھی بہت سارے ملکوں کا ایک گروپ مثلاً خلیجی تعاون کی مجلس یا جنوبی ایشیا کے ممالک کی تنظیم (SARC) یا یورپی اتحاد (EU) وغیرہ۔ اسی طرح بہت سارے معاہدے ایسے ہیں جن میں دنیا کے تقریباً تمام مُلک شریک ہوتے

ہیں۔ مثلاً اقوامِ متحدہ کا میثاق یا 1949ء کے جینوا معاہدات مندرجہ بالا معاہدوں میں سے بہت سارے معاہدے تجارت یا اقتصادی ترقی اور تعاون کے لیے ہیں یا پھر جنگ کے جواز اور اس کے طور طریقوں کے بارے میں ہیں۔ مزید برآں معاہدات کے بارے میں بین الاقوامی قانون زیادہ تر عرف اور رواج (custom) پر مبنی تھا۔ تاہم اب اس کا زیادہ تر حصہ ''میثاق ویانا برائے قانونِ معاہدات ۱۹۶۹'' کی صورت میں منضبط کیا جا چکا ہے۔ فقہائے کرام نے زیادہ تر بحث امن کے معاہدوں کے بارے میں کی ہے جس میں فریق یعنی ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ملک ہو لیکن فقہاء کرام کی کتابوں میں تجارتی معاہدات یا وہ معاہدے جس میں دو سے زیادہ فریق شامل ہوں، کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔ سب سے اہم ترین قاعدۃ معاملہ بالمثل 'المجازات' (Reciprocity) ہے۔ جس کو فقہاء کرام نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس قاعدے کی اصل قرآن و سنت میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فمااستقاموا لكم فاستقيموا لهم﴾

امام شیبانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اُن کے ایک کسٹم آفسر نے اُنہیں خط لکھ کر پوچھا کہ دارالحرب کے تاجروں سے کتنا ٹیکس (Tax) لیا جائے جب وہ اسلامی ریاست میں داخل ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں بتایا کہ مسلمان تاجروں سے دارالحرب والے فی داخلہ (entry) جتنا ٹیکس لیتے ہیں۔ اتنا ہی ٹیکس ان کے تاجروں سے لیا جائے۔ امام شیبانی اور امام سرخسی دونوں اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے 'لان الامر بينناوبينهم مبنيى على المجازات' کیوں کہ ہمارے اور ان کے تعلقات کا اصل معاملۃ بالمثل پر مبنی ہے۔(۷۱) امام سرخسی مزید فرماتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے تجار سے ۱۰٪ ٹیکس لیتے ہیں تو ہم بھی ان کے تاجروں سے ۱۰٪ ہی لیں گے۔ اگر وہ ۵٪ لیتے ہیں تو ہم بھی ۵٪ لیں گے۔ اسی طرح ہم سال میں صرف ایک ہی مرتبہ ان کے تاجروں سے ٹیکس لیں گے کیوں کہ وہ ہمارے تاجروں سے صرف ایک ہی مرتبہ لیتے ہیں۔(۷۲) مجازات کا یہ قاعدہ جنگ اور امن دونوں حالات کے لیے ہے۔ ابتدائے اسلام میں جب معاہدہ امن پر دستخط ہوتے تو ساتھ ہی تجارت، سفارت اور باقی لین دین کے معاہدے ضروری ہو جاتے تھے۔

دو سے زیادہ فریقوں والے میثاق کی مثال حلف الفضول ہے۔ جسے زمانہ جاہلیت میں اس زمانے کے سرداروں نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔ حضورؐ نے حلف الفضول کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''اگر مجھے اسلام میں اس پر (حلف الفضول پر) متفق ہونے کا کہا گیا تو میں کوئی انکار نہیں کروں گا''(۷۳) یہاں یہ بیان کرنا مناسب ہو گا کہ بعض مسلمان اور غیر مسلم اسکالرز بین الاقوامی قانون کو لادینی قانون

سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنے بعض دوسرے مقالات میں یہ بات واضح کی ہے کہ بین الاقوامی قانون قطعاً سیکولر قانون نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بین الاقوامی قانون نے ہر بڑی تہذیب اور نظام کو سمویا ہے۔ بین الاقوامی عدالتی انصاف کے یثاق کی شق ۹ کے مطابق ہر انتخاب کے دوران رکن ممالک کو اس بات کا خاص خیال رکھنا ہو گا کہ عدالت کے جج صاحبان دنیا کی بڑی تہذیبوں اور اہم نظامہائے قانون کی نمائندگی کرنے والے ہوں۔ دوسری طرف عدالت انصاف کے یثاق کی شق ۳۸ پیراگراف ۳ کے مطابق عدالت، دوسرے مصادر کے علاوہ، ایک اہم مصدر وہ اصول ہیں جن کو مہذب قومیں تسلیم کرتی ہیں۔ اسلام دنیا کی اہم تہذیبوں میں سے ایک ہے۔

دوسری طرف اسلامی قانون دنیا کے اہم نظاموں میں سے ایک ہے۔ اسی لیے اسلامی قانون بین الاقوامی قانون کی مصادر میں سے ایک ہے۔ یہ تأثر غلط ہے کہ بین الاقوامی قانون ایک لادینی (Secular) قانون ہے۔ ہماری نظر میں بین الاقوامی قانون ایک غیرجانبدار (neutral) قانون ہے۔ اسلامی قانون مسلمان ملکوں کے معاہدوں پر مبنی پابندی کو مزید تقویت دیتا ہے۔ ۱۹۴۵ء سے لے کر مسلمان ملکوں نے مختلف سطحوں پر بین الاقوامی معاہدوں میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ مختلف موقعوں پر انہوں نے جو اعتراض کیے وہ شریعت پر مبنی تھے۔ حال ہی میں بین الاقوامی فوجداری عدالت (International Criminal Court) کے یثاق میں لفظ جنس (gender) کی تشریح مسلمان ملکوں کی مخالفت سے وجود میں آئی۔ اسی طرح اسلامی ملکوں نے ۱۹۸۶ء میں اقوام متحدہ کے ڈیکلریشن برائے سماجی اور قانونی مصادر کے حوالے سے رضاعت کے بارے میں شدید احتجاج کیا۔ جس کے نتیجے میں جنرل اسمبلی نے شریعت کے مطابق ''کفالت'' کو بھی ایک اصول مان لیا۔

ہماری نظر میں کوئی بھی مسلم ملک کسی بھی بین الاقوامی معاہدے میں فریق ہو سکتا ہے جب مندرجہ ذیل دو شرائط پوری ہوں:

۱) جب معاہدہ مسلمانوں کی مصلحت میں ہو۔

۲) جب یہ معاہدہ اسلام سے متصادم نہ ہو۔

خلاصہ

یہاں پر اوپر بحث میں لائے گئے نکات کا خلاصہ دیا جاتا ہے:

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تین قسم کے معاہدوں کے ذریعے امن کی حالت قائم ہو سکتی ہے۔

پہلی قسم: یہ ہے کہ مسلمانوں کا امام غیر مسلم حکومت کے ساتھ امن کا معاہدہ (الموادعۃ) طے کرے۔ یہ معاہدہ کسی متعین یا غیر متعین مدت کے لیے ہو سکتا ہے۔ اس معاہدے کو دونوں طرف سے تین صورتوں میں منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے:

۱) اگر کسی فریق کی طرف سے صریحاً یا دلالۃً معاہدے کی خلاف ورزی ہو۔
۲) اگر دوسرا فریق کسی ایسے تیسرے فریق کی امداد کرے جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہے۔
۳) اگر مسلمانوں کو دوسری طرف کی جانب سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو۔

معاہدے کی دوسری قسم 'امان' کی ہے جو کہ درحقیقت 'امن کا راستہ یا پھر 'حفاظت کی ضمانت' کو کہتے ہیں۔ امان کسی بھی مسلمان مرد اور عورت کی طرف سے غیر مسلم دشمن کو دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ مسلمانوں پر ایسا کرنے میں ان کو کسی نقصان کے پہنچنے کا احتمال نہ ہو، ایسی دی گئی امان کا احترام واجب ہے۔ کچھ مالکی فقہاء کے نزدیک مسلمان فرد کی طرف سے دی گئی امان کے لئے ضروری ہے کہ امام (یا اس کے نائب) کی طرف سے اس پر رضامندی ظاہر کی جائے۔

معاہدے کی وہ تیسری قسم جس کے ذریعے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان امن قائم ہوتا ہے ''عقد الذمہ'' کہلاتی ہے۔ اس میں اپنی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کے بدلے میں غیر مسلموں کو ایک سالانہ ٹیکس دینا پڑتا ہے (جس کو 'جزیہ' کہتے ہیں)۔ معاہدے کی یہ آخری قسم جدید دنیا کے معاملات میں اب باقی نہیں رہی اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق اسلامی ممالک کے دستوروں میں 'بنیادی انسانی حقوق' کے طور پر محفوظ ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ اسماعیل ابن عمر ابن الکثیر، 'البدایۃ و النہایۃ'، (ریاض، مکتبۃ المعارف، ۱۹۶۶ء) ۳۲۵: ۳
۲۔ علاء الدین ابوبکر الکاسانی، 'بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'، (بیروت، دارالاحیاء التراث العربی ۲۰۰۰ء) ج۶: ۷۵
۳۔ ایضاً ۷۵۔۷۸
۴۔ شیخ الاسلام زکریا الانصاری، 'تحفۃ الطلاب شرح تنقیح الباب'، (قاہرہ، مطبع محمد علی، ۱۳۵۰ء) ۲۸۱
۵۔ قطب الدین الراوندی، 'فقہ القرآن'،...... سید احمد الحسینی، (قم، مکتبۃ آیۃ اللہ، ۱۴۰۵ ہجری)، ۳۵۴: ۱۔ شیعہ مذہب ہی کے ایک اور فقیہ الحلی کے مطابق یہ کچھ مدت کے لئے جنگ بندی کو کہتے ہیں۔ (محقق الحلی، 'شرائع الاسلام'، سید صادق الحسینی (بیروت، دار القاری، ۲۰۰۴ء) ۲۶۲: ۱

۶۔ الانفال: ۶۱

۷۔ النسآء: ۹۲۔ ابن عربیؒ کے مطابق 'میثاق' صحیح اور لازم معاہدہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غیرمسلم ہے جس کے ملک کا مسلمانوں کے ساتھ امن کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ اسی لیے قاتل پر اس کے ورثاء کو دیت دینا اور کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ یہی رائے تابعینؒ کی اور امام شافعیؒ کی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے: محمد ابن عبداللہ ابن العربیؒ، 'احکام القرآن'، الصادق قمھوی، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، n. d.) ج ۱: ۴۷۷

۸۔ النساء: ۸۹۔۹۰

۹۔ النساء: ۹۰

۱۰۔ الانفال: ۷۲

۱۱۔ اس آیت اور آیت مذکورہ (اور پس جب تم حق پر لڑو تو ہمت ہار کر صلح کی درخواست نہ کرو، کہ اللہ کے تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے بالآخر تم ہی غالب رہو گے) میں کوئی تعارض نہیں۔ یہ آیت مسلمانوں کو اس صورت میں قتال سے روکنے سے منع کر رہی ہے جب معاہدہ میں مسلمانوں کے لئے کوئی مصلحت نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں، اگر معاہدہ سے مسلمانوں کا کمزور ہونا ظاہر ہو رہا ہے تو مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہیے۔

۱۲۔ رسول کریم ﷺ اور یہود کے مابین معاہدے کی نص کے لیے دیکھیے: عبدالوہاب کلزیۃ، 'الشرع الدولی فی عہد الرسول' (بیروت، دارالعلم، ۱۹۸۴ء)، ۸۹۔۸۸

۱۳۔ معاہدے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے: امام بخاریؒ 'صحیح البخاری'، حدیث ۲۷۳۱، ابن حجر، فتح الباری، ۳۲۹۔۳۳۳: ۵، مسلم، صحیح مسلم، حدیث ۱۷۸۰۔ ان میں ان وجوہات کا تفصیلاً ذکر ہے جن کی وجہ سے آپ ﷺ نے معاہدے کی ان شقوں کو تسلیم کیا جو ظاہراً مسلمانوں کے فائدے میں نہ تھیں۔ قرآن نے اس معاہدے کو 'فتح' سے تعبیر کیا ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا 'بے شک ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا کی ہے' (الفتح:۱)۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے اس کو بغیر جنگ کے فتح قرار دیا۔ دیکھیے: محمد ابن القرطبی، 'الجامع لاحکام القران' (بیروت، دارالاحیاء التراث العربی، n.d ج ۲: ۲۶۱)۔ آپ ﷺ نے ان صحابہ کرامؓ کو جو معاہدے کے بارے میں غیر مطمئن تھے، فرمایا: 'اور یہ بہت عظیم فتح ہے'، کیوں کہ کفار (اس میں) تم کو اپنے علاقے سے حالت امن میں باہر کرنے پر رضامند ہوئے ہیں، تمہارے ساتھ مذاکرات کیے ہیں اور تمہارے ساتھ امن کو اختیار کیا ہے.....' دیکھیے: جلال الدین السیوطی، 'الدر المنثور فی التفسیر بالماثور' (بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۳) ۶۸۔ قرطبی، 'الجامع'، ج ۲: ۲۶۰، محمد ابن ابو سعود، 'ارشاد العقل السلیم الی مزایۃ الخطاب الکریم'، (بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۰)۔ لہٰذا صلح حدیبیہ کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں کفار نے مدینہ میں مسلمانوں کی حکومت اور آپ ﷺ کو ان کا راہنما تسلیم کیا۔ دیکھیے: سید قطب: 'فی ظلال القرآن'، (بیروت، دار الشروق، ۱۳۹۷) ۳۳۱۶۔ علامہ ابن حجر کے مطابق صلح حدیبیہ کی حیثیت مسلمانوں کی عظیم فتح کے دروازے کی سی ہے۔

اس کے نتیجے میں جنگ بندی ہوئی اور امن قائم ہوا۔ ابن حجر العسقلانی، 'فتح الباری، شرح صحیح البخاری'، (بیروت، دار المعارفۃ، .n.d)، حدیث ۴۱۵۰۔ تو گو ظاہراً (اس کی شرائط مسلمانوں کے لئے سخت تھیں)، مگر حدیبیہ کے معاہدے سے مسلمانوں کو اخلاقی اور سیاسی فتح نصیب ہوئی۔

۱۴۔ دیکھیے: محمد ابن سعید ابن منیع ابن سعد، 'طبقات الصحابہؓ و التابعینؒ'، (Brill, 1322 AH) ج ۱: ۲۳

۱۵۔ ایضاً

۱۶۔ ایضا ج ۱: ۳۴

۱۷۔ ایضا ج ۱: ۳۶

۱۸۔ عبدالمالک ابن ہشامؒ، 'السیرۃ النبویۃ' (قاہرہ، طباع الحلبی، ۱۹۵۵ء) ۹۰۲

۱۹۔ مالکی مسلک کے لیے دیکھیے: ابن جوزیؒ، 'قوانین'، ۱۷۸۔ شافعی رائے کے لیے دیکھیے: شیرازیؒ، 'المہذب'، ج ۲: ۲۳۳، حنبلی مذہب کے لیے دیکھئے، ابن القدامہ، 'المغنی'، ج ۱۰: ۵۲۱۔۵۲۰

۲۰۔ علامہ کاسانیؒ، بدائع الصنائع، ج ۶: ۷۷

۲۱۔ التوبۃ: ۴

۲۲۔ الکاسانی، بدائع، ج ۶: ۷۷

۲۳۔ دیکھیے: محمد ابن الحسن الشیبانیؒ، 'کتاب السیر الکبیر، شرح سیر الکبیر الامام السرخسیؒ'، .ed محمد حسن الشافعی، (بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷) ج ۵: ۸۸-۶۲۔ اور محمد ابن احمد السرخسی، 'کتاب المبسوط'، ed سمیر مصطفیٰ ارباب (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۲) ۹۱۔۸۲: ۱۰۔ برہان الدین المرغینانیؒ، 'الہدایۃ'، (قاہرہ، دار الاحیاء التراث العربی، nd) ج ۲: ۳۸۱۔۳۸۳

۲۴۔ اسماعیل ابن کثیر، 'تفسیر القرآن العظیم'، (قاہرہ، مطبع الاستقامۃ، ۱۹۵۴) ج ۲: ۲۳۵

۲۵۔ المائدۃ: ۱۔ دیکھیے، ابن القدامۃ، 'المغنی'، ج ۱۰: ۵۲۰-۵۲۱

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ محمد ابن ادریس الشافعی، 'کتاب الام'، (قاہرہ، مطبع، امیبۃ، ۱۳۲۱) ج ۴: ۱۸۹

۲۸۔ دیکھیے، موافق الدین ابن قدامۃ، 'المغنی'، (قاہرہ، دار المنار، ۱۳۶۷) ج ۸: ۴۶۰

۲۹۔ التوبۃ: ۲

۳۰۔ حلی، 'شرائع'، ج ۱: ۲۶۲-۲۶۳۔ الراوندی، 'فقہ القرآن'، ج ۱: ۳۵۴۔۳۵۵

۳۱۔ الراوندی، ایضاً ۳۵۴۔ حلی، ایضاً ج ۱: ۲۶۲

۳۲۔ مالکی مذہب کے لیے دیکھیئے: محمد ابن احمد الدسوقی، 'حاشیۃ علی الشرح الکبیر'، (قاہرہ، ۱۹۳۴)۔ ج ۲: ۱۹۰

۳۳۔ کاسانی، 'بدائع۔ ج۶: ۷۷

۳۴۔ محمد ابن احمد ابن رشد، 'بدایۃ المجتہد' انگریزی ترجمہ عمران نیازی، ریڈنگ: گارنٹ پبلشرز ۱۹۹۶ء، ج ۱، ص ۴۶۳

۳۵۔ ایضاً۔ دیکھیے: کاسانیؒ، 'بدائع' ج ۶: ۷۶، اور السرخسیؒ، 'المبسوط'، ج ۱۰: ۸۳-۸۴

۳۶۔ الانفال: ۶۱۔ کاسانیؒ کہتے ہیں کہ یہ رقم بیت المال میں جمع کر دی جائے گی۔ ج ۶: ۷۶، ایضاً

۳۷۔ السرخسی، 'المبسوط'، ج ۱۰: ۸۳، المرغینانی، 'الہدایۃ'، ج ۲: ۳۸۱

۳۸۔ اس نقطے پر ایک دلچسپ بحث کیلئے دیکھیے: محمد مشتاق احمد،
Use of Force for the Right of Self-Determination in International Law and Shari'ah: A Comparative Study, unpublished LLM thesis submitted to the Faculty of Shari'ah and Law, International Islamic University, Islamabad, 2006, 235-236.

۳۹۔ علۃ القتال، مسلمانوں اور غیرمسلموں کے ما بین تعلقات، دنیا کی مختلف منطقوں میں تقسیم اور اس سے متعلق دیگر امور پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے، محمد منیر
"Public International Law and Islamic International Law: Identical Expressions of World Order", 1(3 & 4) Islamabad Law Review (2003), 369-430, at 372-409

۴۰۔ دیکھیے میرا آنے والا مقالہ بعنوان: "The Protection of the Prisoners of War in Islamic Law"

۴۱۔ الکہف: ۲۹

۴۲۔ البقرۃ: ۲۵۶

۴۳۔ یونس: ۹۹

۴۴۔ التوبۃ: ۴

۴۵۔ التوبۃ: ۷

۴۶۔ الشیبانیؒ، 'سیر الکبیر'، ج ۱: ۱۸۵۔ امام سرخسیؒ کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ ہر اس فعل سے احتراز کرنا چاہیے جس کا ظاہر یا روح دھوکے پر مبنی ہو۔ مزید دیکھیے، امام الترمذی، 'سنن'، (دارسحنون، استنبول، گاگری، یاینلاری، n.d)۔ ۳: ۱۴۳، حدیث ۱۵۸۰۔ اور قرطبیؒ، 'الجامع لاحکام القرآن'، ج ۸: ۲۲، ۲۳

۴۷۔ محمد بن الحسن الشیبانی، کتاب السیر الکبیر، شرح ابوبکر السرخسی، ج ۱: ص ۱۸۵، امام ترمذی، السنن، دارالسحنون، استنبول، ج ۴: ص ۱۸۳، رقم الحدیث ۱۵۸۰

۴۸۔ International Journal of Middle East Studies, (Jul., 1980), 429-450, at 441-442.

۴۹۔ التوبۃ: ۴

۵۰۔ کاسانی، 'بدائع' ج ۶: ۷۷

۵۱۔ ابن کثیرؒ مزید کہتے ہیں کہ اگر لٹیروں کا گروہ طاقت والا ہو تو یہ معاہدہ دار الموادعۃ کے لئے تو پھر بھی قائم رہے گا مگر ان لٹیروں کے لئے نہیں۔ المرغینانیؒ، 'ہدایۃ'، ج ۲: ۳۸۱

۵۲۔ الانفال: ۵۸

53. Also available at: "Suicide Attacks and Islamic Law", 90: 869 IRRC (2008) January-March, '84. http :// www.icrc.org/ web/ eng/ siteeng0.nsf/ htmlall/ review-869- p71?opendocument (last accessed 28/03/09).

۵۴۔ قرطبیؒ، 'احکام القرآن'، ج ۸: ۲۲

۵۵۔ ابن کثیرؒ، تفسیر، ج ۲: ۳۲۰

۵۶۔ کمال ابن الھمام، 'فتح القدیر شرح الہدایۃ' (بیروت، دار الفکر، n. d.) ج ۵: ۴۶۲

۵۷۔ اکمل الدین محمد البابرتی، 'العنایۃ علی الھدایۃ فی فتح القدیر' (بیروت، بولاق، ۱۳۱۶) ج ۵: ۴۶۲

۵۸۔ مذاہب مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کے مطابق ایک غلام بھی امان دے سکتا ہے۔ دیکھیے: محمد ابن احمد ابن جوزی، 'قوانین الاحکام الشریعۃ و مسائل الفروع الفقہیۃ' (بیروت: دار العلم للملایین، ۱۹۷۴) ۱۷۳؛ ابو اسحاق ابراہیم الشیرازی، 'المھذب' (قاہرہ، مطبع الحلابی، n d) ج ۲: ۲۳۵۔ ابن قدامہؒ، 'المغنی' (بیروت دارالکتاب العربی، ۱۹۷۲) ج ۱۰: ۴۳۲۔ حنفی مذہب میں ایک آزاد مسلمان تو امان دے سکتا ہے، غلام نہیں۔ دیکھیے: مرغینانیؒ، 'الھدایۃ' ج ۲: ۳۸۲

۵۹۔ ابن جوزیؒ، 'قوانین'، ۱۷۳

۶۰۔ التوبۃ: ۶۔ علامہ اسدؒ الفاظ 'تمہارا پڑوسی بننا چاہے' کے لغوی معنی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک استعارہ ہے جس کا مطلب تحفظ طلب کرنے کے ہیں۔ اس کی بنیاد اپنے پڑوسی کی بقدر طاقت حفاظت اور عزت کرنے کا قدیم عرب رواج تھا (جس کی اسلام نے تائید کی اور اس کو جاری رکھا)۔ محمد اسد ۲۵۶، n.10

۶۱۔ Ahmed Zaki Yamani, "Humanitarian International Law In Islam a general outlook", Michigan book of International Legal Studies, Vol-7, (1985), p. 204

۶۲۔ امام بخاریؒ، صحیح، حدیث ۱۸۷۰؛ ابن حجر، 'فتح الباری'، ج ۴: ۸۱ امام مسلم، صحیح، ج ۲: ۹۹۸، حدیث ۱۳۷۰

۶۳۔ ابن حجر، 'فتح الباری'، ج ۴: ۸۶

۶۴۔ بخاریؒ، صحیح، حدیث ۳۵۷؛ ابن حجر، 'فتح الباری'، ج ۱: ۴۶۹۔ امام مسلمؒ، صحیح ج ۱: ۴۹۸، حدیث ۳۳۶۔ یہ دو شخص حضرت خالد بن ولیدؓ سے قتال کر رہے تھے اور اس وجہ سے عام معافی کا وعدہ ان پر لاگو نہیں ہوتا تھا مگر حضرت ام ہانیؓ نے ان کو امان دی۔

۶۵۔ بدر الدین عینی، 'عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری' (قاہرہ، ادارۃ الطباع المنیریۃ، n d) ج ۱۵: ۹۴۔ امام شیبانیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عراق میں اپنے مقرر کیے ہوئے سپہ سالار کو خط لکھا کہ کوئی شخص 'مترس' کے الفاظ استعمال کر کے دشمن کے کسی فوجی کو امان دے تو یہ امان لازم ہوگی۔ دیکھئے: الشیبانی، 'سیر الکبیر'، ج ۱: ۱۹۹

۶۶۔ الشیبانیؒ، ایضاً

٦٧۔ الشیبانیؒ، 'سیر الکبیر' ج ۱: ۲۱۴

٦٨۔ ایضاً ۲۱۵

٦٩۔ ایضاً ۲۱٦

٧٠۔ ابی زکریا الدمشقی ابن نحاس، 'مشارع الاسواق الی مسارع العشاق'، مرتبہ ادریس محمد علی اور محمد خالد استنبولی (بیروت، دار البشیر، ۱۹۸۳)، ص ۹۸۱

٧١۔ محمد ابن الحسن الشیبانی، کتاب السیر الکبیر شرح ابوبکر السرخسی، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء، ج ۵: ص۲۸۵، ۲۸٦

٧٢۔ ایضاً

٧٣۔ ابوبکر البیہقی، السنن الکبریٰ، مطبعۃ الخیریۃ، ۱۳۲۰ھ، ج ٦: ١٦٧

☆☆☆☆☆

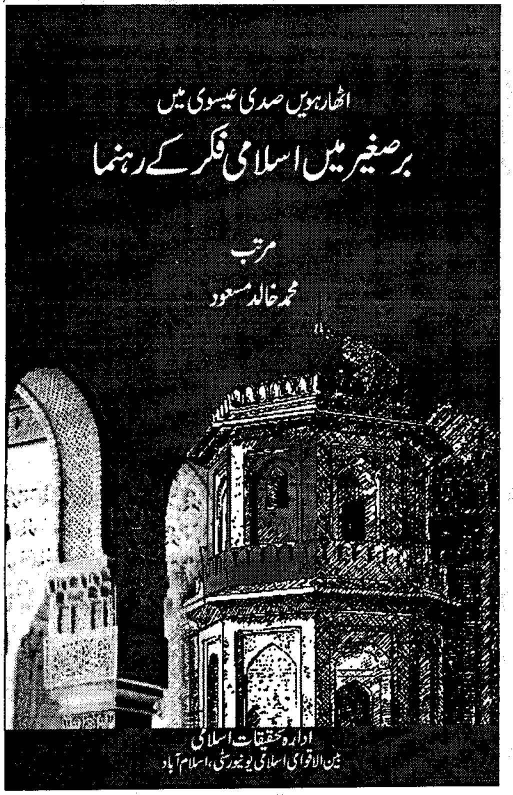

اٹھارہویں صدی عیسوی میں

برصغیر میں اسلامی فکر کے رہنما

برصغیر کی ملی و فکری تاریخ میں اٹھارہویں صدی کی اپنی ایک اہمیت ہے۔ یہ وہ دور تھا جب جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار روبہ زوال تھا۔ مسلم فکر و ثقافت بھی اپنی توانائی کھو رہی تھی۔ شکست و ریخت کے شکار مسلم معاشرے میں ہندو تہذیب و فلسفہ کے زیر اثر کمزوریاں اور خامیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ بالغ نظر اہل علم و دانش نے، جنھیں اس صورت حال کا گہرا احساس تھا، ایسے دور میں دین سے رُوگردانی، اندھی تقلید اور فکری جمود کے خلاف پے در پے آواز اٹھائی۔ ان کی علمی و فکری کاوشیں بڑی وقیع اور یادگار تھیں۔ ان کی بلند کی ہوئی آواز کی اہمیت کے پیش نظر ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی نے ''اٹھارہویں صدی میں برصغیر میں اسلامی فکر کا جائزہ'' کے موضوع پر ایک مسلسل مذاکرہ کا انعقاد کیا جو وقتاً فوقتاً دو برس تک جاری رہا۔ اس طویل مذاکرے میں جو مقالات پڑھے گئے ان کا انتخاب اب ادارہ کی طرف سے ایک کتاب کی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ان مقالات میں اٹھارہویں صدی کے دس بڑے مشاہیر کے افکار و خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان مشاہیر میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، خواجہ میر درد، مرزا عبدالقادر بیدل، شاہ عبداللطیف بھٹائی، مرزا مظہر جان جاناں، سید غلام علی آزاد بلگرامی، قاضی محمد اعلیٰ تھانوی، قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اور مرزا ابوطالب شامل ہیں۔

صفحات: ۴۳۰

ISBN 978-969-408-277-6

قیمت : ۴۰۰ روپے